

Title	Saiyed Ahmad Khan
Author(s)	Tabassum, Kashmiri; Muhammad, Saleheen
Citation	大阪外国語大学学報. 63 p.1-p.15
Issue Date	1983-03-22
oaire:version	VoR
URL	https://hdl.handle.net/11094/80963
rights	
Note	

Osaka University Knowledge Archive : OUKA

<https://ir.library.osaka-u.ac.jp/>

Osaka University

ن۔ م۔ راشد کی شاعری میں آگ کی علامت

تبسم کاشمیری

ن۔ م۔ راشد جدید اردو شاعری کے ققنس* تھے۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو لندن میں ان کا انتقال ہوا۔ راشد کو ان کی وصیت کے مطابق لندن میں سپرد آتش کر دیا گیا۔

اردو شاعری کا ققنس لندن کے میت سوز مرکز (crematorium) میں اپنے نغموں کی آگ کے ساتھ جل کر خاموش ہو گیا۔ میت سوزی (cremation) کی اس داستان اور اس واردات کے مختلف حصوں کے چشم دید راوی ساقی فاروقی ہیں۔ سب سے پہلے ان کے لفظوں میں شیلا راشد کا بیان کردہ وہ واقعہ سنئے جو

* ققنس ایک خوش رنگ اور خوش آواز پرندے کا نام جس کی نسبت اہل لغات کا بیان ہے کہ اس کی چونچ میں تین سو ساٹھ سوراخ ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک ایک راگ نکلتا ہے۔ جب اسے بھوک لگتی ہے، تو کسی بلند پہاڑ پر ہوا کے رخ ہو بیٹھتا ہے، جس کے سبب عجیب و غریب سر نکلتے ہیں، اور اس کی آواز پر بہت سے پرندے فریفتہ ہو کر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور یہ ان میں سے دو چار کو پکڑ کر چٹ کر جاتا ہے۔ اس کی عمر ہزار سال کی ہوتی ہے اور یہ جوڑا نہیں ہوتا۔ جب پورے ہزار برس گزر جاتے ہیں، تو اس کی عمر طبعی اخیر ہو جاتی ہے۔ اس وقت یہ بہت سی لکڑیاں جمع کرتا اور ان پر بیٹھ کے مستی کے عالم میں گاتا اور پروں کو جھڑ جھڑاتا ہے۔ جس وقت دیپک راگ اس کی چونچ سے نکلتا ہے، تو ان لکڑیوں میں آگ لگ جاتی ہے اور یہ جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ خدا کی قدرت سے اس راکھ پر مینہ برستا ہے اور اس میں سے از خود انڈا پیدا ہو جاتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد پھر اس میں ققنس پیدا ہوتا اور پرورش پاتا ہے۔ (فرہنگ آصفیہ، ج ۳، ص ۳۹۱-۳۹۲)

ققنس کی دیو مالا چین و جاپان میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ اچانک نظر آتا ہے۔ خوش حالی کی علامت ہے کہ بادشاہ نیک بخت ہوگا۔ شکل کے مطابق اس کی گردن سانپ کی، دم مچھلی کی، پشت کچھوے کی، جبڑا گوریے کا اور چونچ مرغ سے ملتی جلتی ہے۔ آواز نہایت مسحور کن ہوتی ہے۔ مقدس پانی پی کر زندہ رہتا ہے۔ ہزاروں سال میں آتش فشاں میں جل کر آگ سے از سر نو پیدا ہوتا ہے۔

میت سونی کے محرکات کا ایک سبب تھا۔

"شیلہ نے بتایا کہ دو بار انہوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا۔ پہلی بار جب شیلہ کے والد مسٹر انجیلنی کا انتقال ہوا۔ راشد بھی میت کے ساتھ اسی ساؤتھ لندن کریمپٹوریم میں گئے تھے اور جب لاش تہ خانے کی بھٹی میں جلنے کے لیے چلی گئی اور سب لوگ ہال سے باہر نکل کر ڈن کے پاس کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے، تو یکایک پتہ چلا کہ راشد صاحب لا پتہ ہیں۔ کوئی دس منٹ کے بعد آئے۔ معلوم ہوا کہ تختہ سرکنے اور لاش کے یکایک غائب ہونے کا کچھ ایسا اثر حضرت پر ہوا کہ سراغ لگانے اور چھان بین کرنے کے لیے عمارت کے عقب میں چلے گئے۔ اور سنتی سے کہہ سن، سیڑھیاں اتر، تہ خانے میں پہنچ گئے اور اپنی آنکھوں سے لاش کو جلتا ہوا دیکھا اور راستے بھر اپنے اس تجربے کا ذکر کرتے رہے اور کہتے رہے "میں بھی ایسی ہی صاف موت چاہتا ہوں۔

میں مرنے کے بعد cremate ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے یہ طریقہ بہت اچھا لگا۔" --- پھر شیلہ نے بتایا کہ دوسری بار اپنی اس خواہش کا ذکر انہوں نے مرنے سے دو مہینے پہلے کیا تھا۔ جب کھانے کی میز پر دونوں وصیت پر گفتگو کر رہے تھے، انہوں نے کہا "مجھے یہ طریقہ بہت پسند ہے اور میں مرنے کے بعد cremate ہونا چاہتا ہوں۔" پھر شہریار راشد نے بتایا کہ جب چھ سات مہینے پہلے راشد صاحب ان سے ملنے برسلسز گئے تھے، تو ایک رات کو کھانے کے بعد کہنے لگے کہ مرنے کے بعد میں cremate ہونا چاہتا ہوں اور وہ اپنی اس خواہش کے اظہار میں سنجیدہ تھے۔" (۱)

راشد کے انتقال کے بعد اس خواہش کی تکمیل لندن کے میت سوز مرکز میں ہوئی۔ آئیے اس مرکز میں راشد کی خواہش کی تکمیل کا منظر دیکھیں جہاں چند سوگواروں کی موجودگی میں یہ رسم پوری کی گئی۔

"دوسرے دن (۱۴ اکتوبر) ۳ بج کر ۱۰ منٹ پر راشد صاحب کی میت کو سپرد آتش ہونا تھا۔ --- ۳ بجے ایک لمبی سیاہ میت گاڑی میں میت کے ہمراہ شیلہ، مسز الیسیا انجیلنی اور شیلہ کی ایک دوست اینجلا بھی پہنچ گئیں۔ --- شیلہ نے کریمپٹوریم کا ہال ۱۵ منٹ کے لیے بک کرایا تھا۔ وقت گزر رہا تھا۔ مگر راشد صاحب کے بیٹے شہریار اب تک نہیں پہنچے تھے۔ شیلہ میرے شانے پر سر رکھے رو رہی تھیں۔ یکایک کہنے لگیں، ہم مزید انتظار نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا، میں نگہبان افسر سے بات کرتا ہوں۔ میں اس افسر کو ایک کونے میں لے گیا اور

تاخیر کی معافی چاہی اور صورت حال سے آگاہ کیا اور مزید پندرہ منٹ کی مہلت طلب کی۔ پندرہ منٹ گزر گئے، مگر شہریار نہیں پہنچے، تو میں نے کہا، حضرات اور خواتین ہال میں چلیے۔ مجھے اس خوش خصال افسر نے مختصراً بتایا کہ اس طرح کی رسم مرگ کے کیا اصول ہیں۔ یعنی یہ کہ سب لوگ خاموشی سے ہال میں داخل ہو کر، سر جھکا کر دعا میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ سامنے "کوفن" میں میت رکھی ہوتی ہے اور پس منظر میں آرگن بجتا رہتا ہے۔ جب یہ سوگوار دھن ختم ہوتی ہے، تو کوفن کے چاروں طرف پردہ کھنچ جاتا ہے اور کوفن کے نیچے کا تختہ فرش سرک جاتا ہے اور لاش نیچے، تہ خانے میں، بجلی کی بھٹی میں جلنے کے لیے چلی جاتی ہے۔ اور لوگ ہال سے باہر آ جاتے ہیں۔ اس سارے عمل میں مشکل سے دس منٹ لگتے ہیں۔ میں نے موت کے آداب و ضوابط سے سب کو آگاہ کر دیا تھا۔ جب آرگن خاموش ہوا اور پردہ کھنچا اور فرش کا دروازہ کھلا، تو راشد صاحب آگ کے شعلوں میں نہانے کے لیے چلے گئے۔ انھی کے الفاظ میں

آگ آزادی کا، دلشادی کا نام
آگ پیدائش کا، افزائش کا نام

آگ وہ تقدیس دھل جاتے ہیں جس سے سب گناہ
آگ انسانوں کی پہلی سانس کے مانند آگ ایسا کرم
عمر کا آگ طول بھی جس کا نہیں کافی جواب" (۲)

میت سوزی کا یہ واقعہ محض اتفاقی نہیں ہے۔ راشد کے لا شعور میں آگ کا تقدس اور اس کی تخلیقی قوت کے گہرے نقوش موجود تھے۔ چنانچہ ان کی شاعری میں آگ ایک تخلیقی علامت کے تصورات کے ساتھ موجود ہے۔ ان کے شعری تلازموں، استعاروں اور تشبیہوں میں اس تخلیقی قوت کا اظہار ملتا ہے۔ چنانچہ ان کی شاعری میں آگ اور اس سے متعلق جملہ تلازمات کا مطالعہ خصوصی توجہ کا طالب ہے اور اس کے ذریعے ہم راشد کے شعری تجربات کا جائزہ لے کر آگ کے اس پس منظر سے روشناس ہو سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی جدید شاعری میں آگ کا تلازمہ یا استعارہ اتنی قوت کے ساتھ موجود نہیں ہے۔ جدید شاعروں میں اگرچہ آگ کے استعارے اور تلازمے بکثرت ملتے ہیں جو ان شعرا کے ہاں کسی شدید جبر، ظلم یا مجموعی طور پر ماحول کے شدید دباؤ کے اظہار کے لیے استعمال ہوتے ہیں، ان میں شعرا کی ذات کے گہرے دکھ یا آشوب کی بدترین صورتوں کا اظہار بھی موجود ہے، لیکن راشد کے ہاں "آگ" ایک بھرپور توانا تخلیقی علامت کی صورت میں ملتی ہے جو تیسری دنیا میں آزادی اور حریت کی للکار بنتی ہے اور ہزاروں برس کے تہذیبی لاشعور کو بھی پیش

کرتی ہے۔ یہ علامت تہذیبی عمل کو زرخیز کرتی ہے۔ پیدائش اور افزائش کا ذریعہ بن کر ثقافتی عمل کو آگے بڑھاتی ہے، گویا ٹھہراؤ، جمود اور سکوت کے منفی اثرات کو ختم کر کے حیاتیاتی عمل کے تسلسل کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس اعتبار سے غور کیا جائے، تو آگ جدلیاتی عمل کی مظہر بن جاتی ہے۔ یہ مصرع دیکھیے۔

آگ آزادی کا، دلشادی کا نام

آگ پیدائش کا، افزائش کا نام

آگ آرائش کا، زیبائش کا نام

آگ زینہ، آگ رنگوں کا خزینہ

آگ کی قرمز زباں پر انبساط نو کے راگ

ان تلازمات کے پس منظر میں صدیوں کا تہذیبی عمل موجود ہے۔ انسانی تاریخ کے طویل ادوار کے جو نقوش اب تک محفوظ ہیں، وہ آگ کی تخلیقی قوت کی شہادت دیتے ہیں۔ تہذیب انسانی میں آگ کا یہ مطالعہ راشد کے مذکورہ بالا تصورات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ آئیے ہم تہذیب انسانی میں آگ کے کردار اور مظاہر کا جائزہ لیتے ہیں۔

راشد کی شاعری میں آگ اور آگ سے بننے والے تلازمات کے پیچھے انسان کا تہذیبی لا شعور حرکت کرتا ہے۔ آگ کی علامت کے پس منظر میں ہزاروں سال کا تہذیبی تجربہ کام کرتا ہے۔ انسان نے آگ سے بے شمار ثمرات اور تجربات حاصل کیے ہیں۔ اس نے اس وسیع کائنات میں آگ سے عرفان حاصل کیا ہے اور اس عرفان سے آگ ایک تخلیقی قوت بن گئی ہے۔ یہ قوت کائنات کے مظاہر سے منکشف ہو کر انسان کے حلقہ ادراک تک پہنچی ہے۔ یہ سارے سلسلے آگ اور اس کے تلازمات سے وابستہ ہیں۔

زمانہ قبل از تاریخ سے آگ ایک مافوق الفطرت قوت کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ بعد ازاں دنیا کی قدیم تہذیبوں مثلاً مصر اور ویدک ہند میں آگ کو دیوتا کا مقام حاصل ہو گیا تھا۔ دنیا کے مختلف خطوں میں یہ دیوتا مختلف ناموں سے موسوم کیے جاتے تھے۔ چنانچہ آریا اسے اگنی، مصری را، یونانی اپالو اور ہیلی اوس، رومی ولکن اور ایرانی مزدا کہتے تھے۔^(۳)

تاریخ عالم کا جائزہ لیجیے، تو دنیا کے مختلف خطوں میں آباد مختلف قوموں اور نسلوں کے درمیان آگ کا ایک ہی مجموعی اور مشترک تصور ملتا ہے۔ مشرق ہو یا مغرب، ہر خطے کے انسان آگ کے بارے میں یکساں خیالات اور عقائد کا اظہار کرتے ہیں۔ مشرق اور مغرب کی دیو مالا میں آگ سے متعلق تصورات میں حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے۔ پوری نوع انسانی آگ کے متعلق ایک مشترکہ تہذیبی

احساس رکھتی ہے۔ یوں آگ سے وابستہ یہ تصورات انسان کے اجتماعی لا شعور کا ایک حصہ بن گئے ہیں۔ اجتماعی لا شعور کا یہ خزانہ نہایت گہرا اور روشن ہے اور اس خزانے کے تصورات میں ایک تسلسل موجود ہے۔ روایت کا یہ تسلسل بدلی ہوئی شکل میں قدیم و جدید انسان کے درمیان آج بھی جاری ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ قدیم انسان جس دور سے تعلق رکھتا تھا، وہ غیر سائنسی دور تھا۔ یہ انسان مظاہر فطرت سے خائف تھا جبکہ جدید انسان مظاہر پر غالب ہے اور سائنسی ذہن رکھتے ہوئے ان مظاہر کو ایک مختلف زاویہٴ نظر سے دیکھتا ہے۔ آج اس کے لیے "اگنی" دیوتا نہیں رہا، بلکہ اگنی خادم بن کر توانائی کی صورت میں اس کے تہذیبی ارتقا کو تیز کرنے کے عمل میں شریک ہے۔

جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا ہے، "آگ" سے وابستہ دیو مالائی تصورات میں ایک بنیادی اشتراک ملتا ہے۔ قدیم انسان نے "آگ" سے جو تجربات حاصل کیے، ان میں بھی ہمہ گیر مماثلت کا عنصر ملتا ہے۔ مثلاً قدیم انسان کا بنیادی تعلق زرعی زندگی سے تھا۔ انسان ہمیشہ سے بکثرت پیداوار کا خواہش مند رہا۔ اس ضمن میں وہ "آگ" کو اپنا انتہائی مددگار اور دوست سمجھتا تھا۔ "آگ" کے سحر سے یہ انسان مستفیض ہوتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ "آگ" کے سحر سے اس کی فصلوں پر ہونے والے برے اثرات دور ہو سکیں گے۔ "آگ" فصلوں کو زرخیز کرے گی، پیداوار بڑھے گی، اسے طمانیت حاصل ہوگی اور یوں اس کی زندگی خوش گوار ہو جائے گی۔ زرخیزی کے اس تصور کی وجہ سے "آگ" انسانی تہذیب میں کلیدی مقام حاصل کر گئی تھی اور انسان اسے بے حد اہمیت دیتا تھا۔ مشرق و مغرب کی تہذیبوں میں انسان "آگ" کے ان فیوض اور ثمرات کا ذکر کرتے، اس کی تعریف میں نعمات تخلیق کرتے اور خوش ہوتے تھے۔ "آگ" کے ان فیوض سے مستفیض ہونے کے لیے وہ جشن برپا کرتے تھے۔ مذہبی رسومات ادا کرتے تھے اور ان اعمال کے ذریعے "آگ" سے زرخیزی اور افزائش کے طلبگار ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی "آگ" سے تطہیر کا تصور بھی وابستہ تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ "آگ" سے چھو جانے والی ہر شے پاک، صاف اور گناہوں و آلائشوں کی آلودگی سے مبرا ہو جاتی ہے، گویا آگ کا عمل انسان کو ایک پاک اور مصفا زندگی کی نوید بھی دیتا تھا، جسے حیات نو سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

آئیے ہم پہلے دنیا کے مختلف خلوں میں "آگ" کی اس قدیم دیو مالا کا جائزہ لیتے ہیں کہ یہ قدیم دیو مالا راشد کے تہذیبی لا شعور کا حصہ ہے۔ یورپ کے کسانوں میں مسیحیت سے بہت پہلے یہ رواج رہا ہے کہ سال کے بعض خاص دن الاؤ جلانے اور ان کے گرد ناچنے کے لیے مختص رہے ہیں۔ فارلونگ نے یورپین ملکوں میں آگ کی اہمیت اور آگ کی رسومات کا ذکر کیا ہے۔ (۲)

جیمس ہیسنڈگز نے تفصیل کے ساتھ آگ کی دیومالائی حیثیت پر روشنی ڈالی ہے۔ (۵) یورپ کے آتشی تہوار بہت مشہور تھے جن میں "آگیاں" جلائی جاتی تھیں۔ ان مشہور تہواروں میں لینڈ کی آگیاں، ایسٹر کی آگیاں، بیلین کی آگیاں، گرمائی آگیاں، شب اولیا کی آگیاں، سرمائی آگیاں اور ہنگامی آگوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ (۶) لینڈ کے پہلے اتوار کو آگیاں روشن کرنے کی روایت شمالی فرانس، بیلجیم اور جرمنی کے بعض حصوں میں موجود تھی، جس کی تفصیلات جیمس جارج فرینڈ نے فراہم کی ہیں۔

"اوارنی (فرانس) میں لینڈ کے پہلے اتوار کی شب کو ہر جگہ آگیاں جلتی ہیں۔ ہر گاؤں، ہر چھوٹی سی بستی، بلکہ ہر محلے، ہر کشتزار کا ایک علیحدہ الاؤ ہوتا ہے جو شام کے اندھیرے کے ساتھ روشن ہو جاتا ہے۔ ٹیلوں اور میدانوں میں جگہ جگہ آگیاں دکھائی دیتی ہیں۔ لوگ ان کے گرد ناچتے اور گاتے ہیں اور ان کے شعلوں سے کود کود کے نکلتے ہیں۔ پھر گرانامیا والی رسم شروع ہوتی ہے۔ گرانامیا میں ایک مشعل ہوتی ہے جو ایک بلی کی انی سے پیال باندھ کر بنائی جاتی ہے۔ جب ایندھن کا ڈھیر آدھا جل چکا ہے، تو تماشائی بجھے ہوئے شعلوں سے مشعلیں جلا لیتے ہیں اور انھیں لیے میوے کے باغوں، کھیتوں، پھلواڑیوں اور ان تمام مقامات پر پہنچتے ہیں جہاں میوے کے درخت ہوں اور اپنی پوری آواز سے یہ گاتے جاتے ہیں "گرانو میرے دوست، گرانو میری ماں، گرانو میرے باپ"۔ پھر وہ جلتی ہوئی مشعلوں کو ہر درخت کی شاخوں کے نیچے سے گزارتے ہیں، جس کے ساتھ یہ بول لپکتے جاتے ہیں "مشعل جلا ہر شاخ سے بالٹی بھر"۔ بعض گاؤں میں لوگ بوئے ہوئے کھیتوں میں بھی مشعلیں لیے دوڑتے ہیں اور ان میں مشعلوں کی راکھ جھاڑتے ہیں۔ نیز ان کی کچھ راکھ مرغیوں کے دڑیوں میں بھی ڈال دی جاتی ہے تاکہ مرغیاں سال بھر بافراط انڈے دیتی رہیں۔ جب یہ تمام رسومات ادا ہو جاتی ہیں، تو ہر شخص گھر لوٹتا ہے اور جی بھر کے کھانا پیتا ہے۔ رات کے کھانے کی خاص چیزیں میٹھے بٹٹے (جو دودھ، انڈے اور اخروٹ کے آمیختہ پر مشتمل ہوتے ہیں) اور پان کیک ہوتے ہیں۔ اس مثال میں آگ کا میوے کے درختوں، بوئے ہوئے کھیتوں اور مرغیوں کے دڑیوں سے چھوٹا ایک افسوس ہے جس سے ان کی زرخیزی کا یقین مقصود ہے، اور گرانو، جس کی دہائی دی جاتی ہے اور جس کے نام سے مشعلوں کو موسوم کیا جاتا ہے، ڈاکٹر پامرول کے خیال کے بموجب ممکن ہے کہ قدیم کیلٹی دیوتا گرینس ہو، جسے رومی اپالو کے مماثل سمجھتے تھے اور عہد قدیم میں جس کی پرستش کی تصدیق ان

کتنوں سے ہوتی ہے جو نہ صرف فرانس بلکہ اسکاچستان اور دینوب میں بھی دریافت ہوئے ہیں۔" (۷)

فریزر نے مزید بتایا ہے کہ میوے کے باغات اور کھیتوں کو زرخیز کرنے کے لیے یہ رسم فرانس میں بھی عام تھی۔ فرانس میں یہ دستور تھا کہ لینڈ کے پہلے اتوار کو لوگ مشعلیں لے کر گھومتے تھے۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ ان کے اس عمل سے باغوں کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے اور پیاز کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس رسم میں بچے بھی مشعلیں جلائے کھیتوں کے گرد چکر کاٹتے تھے تاکہ زمین کی زرخیزی میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو۔ بعض مقامات پر اس موسم میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر مشعلیں روشن کی جاتی تھیں اور لوگ انھیں لے کر گاؤں کے ہر گھر میں پہنچ کر بھنے ہوئے مٹر طلب کرتے اور ان دلا دلاہن کو رقص کرنے پر مجبور کرتے جن کی شادی سال کے دوران میں ہوئی ہو۔ وسط فرانس کے ایک ضلع میں جب سورج ڈوب جاتا ہے، تو گاؤں کے تمام لوگ پیال کی مشعلیں جلائے سارے علاقے میں پھیل جاتے ہیں اور کھیتوں اور میوے کے باغوں میں سے دوڑتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ دور سے اندھیرے میں ٹمٹماتے ہوئے ان متحرک چراغوں کا منظر دیکھیے، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شمار اگن بھتتیاں

(will-o'-the-)

wisp جو جہلا کے عقیدے کی رو سے رات کی تاریکی میں راہ گیروں کو بھٹکایا کرتی ہیں) ایک دوسرے کا تعاقب کرتی ہوئی میدانوں، پہاڑوں اور وادیوں میں نکل آتی ہیں۔ جس وقت مرد اپنی مشعلیں درختوں پر گھماتے رہتے ہیں، عورتیں اور بچے گندم کی پوال درختوں کے تنوں سے لپیٹ لپیٹ کر باندھتے جاتے ہیں۔ خیال ہے کہ اس رسم کے اثر سے زمین کے لیے خطرناک وباؤ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ درختوں کے گرد لپٹی ہوئی پوال انھیں بارور کر دیتی ہے۔ (۸)

سوئٹلینڈ میں لینڈ کے پہلے اتوار کی شب کو "چنگاریوں والا اتوار" کہا جاتا تھا، جس کے لیے یہ اہتمام کیا جاتا تھا کہ کسی نمایاں پہاڑی پر لڑکے گھروں سے مانگے ہوئے ایندھن اور پوال کا ڈھیر لگا دیتے۔ یہ ڈھیر ایک کھمبے کی اطراف میں لگایا جاتا، جس پر ایک پتلا لگا ہوتا تھا جو جادوگرنی کہلاتا تھا۔ غروب آفتاب کے بعد نو عمر لڑکے اس ڈھیر کو آگ لگا کر اس کے گرد خوب ناچتے تھے۔ بعض بچے کوٹے یا گھنٹیاں بھی بجاتے جاتے تھے اور جب آگ بجھنے لگتی، تو اس پر سے کودنے لگتے۔ بعض علاقوں میں یہ بھی رسم تھی کہ پہیوں کے گرد پوال لپیٹ کے انھیں آگ لگا دیتے اور پھر پہاڑ سے لڑھکا دیا جاتا تھا۔ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ رات کی تاریکی میں جتنی زیادہ الاؤ روشن ہوں گے، اتنی ہی زیادہ فصلیں اچھی ہوں گی۔ بعض اضلاع کے دستور کی رو سے اس مرد یا عورت کو الاؤ جلانا پڑتا تھا جس کا بیاہ سب سے آخر میں ہوا ہو۔

فریزر نے یورپ میں ایسٹر کی آگوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ ایسٹر کی شب کیتھولک ملکوں کے گرجا گھروں کی تمام بتیاں گل کر دی جاتی ہیں۔ اور پھر فولاد، چقماق یا آتشی شیشے سے از سر نو آگ روشن کی جاتی ہے۔ اسی آگ سے ایسٹر کی بٹی شمع روشن کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی گرجا گھروں کے تمام چراغ دوبارہ روشن کیے جاتے ہیں۔ جرمنی کے کئی علاقوں میں گرجا گھروں کے قریب کھلے مقامات پر الاؤ بھی روشن ہوتے ہیں۔ یہ آگ متبرک سمجھی جاتی ہے۔ اس کے لیے لوگ شاہ بلوط، اخروٹ اور پیچ کی لکڑیاں لاتے ہیں اور انہیں سلگا کے گھروں کو لے جاتے ہیں، جہاں جھلسی ہوئی لکڑیوں کو تازہ آگ میں سلگا کے جلاتے ہیں اور یہ دعا مانگتے ہیں کہ خدا گھر کو آگ، بجلی اور اولوں سے محفوظ رکھے۔ اس طرح ہر گھر کو "نئی آگ" مل جاتی ہے۔ اولوں کے طوفان میں یہ بجائی ہوئی لکڑیاں آتش دان کی "آگ" میں ڈال دی جاتی ہیں تاکہ گھر پر بجلی نہ گرنے پائے۔ اسی طرح یہ لکڑیاں کھیتوں، باغوں اور سبزہ زاروں میں ڈال دی جاتی ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ باغات دوسرے باغوں کی نسبت زیادہ پھلتے پھولتے ہیں۔ ان پر ژالہ باری نہیں ہوتی اور یہ چوہوں، بھونروں اور کیڑوں مکوڑوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ شمالی اور وسطی جرمنی میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر کسان بڑے بڑے الاؤ روشن کرتے تھے۔ کسانوں کے عقیدے کے مطابق جہاں تک ان الاؤں کی روشنی پہنچے گی، کھیت زرخیز ہوں گے اور جن مکانوں پر ان کا پرتو پڑے گا، وہ آتشزدگی اور بیماری سے محفوظ رہیں گے۔^(۹)

آگ سے متعلق یہ تصورات صرف یورپ تک محدود نہیں ہیں۔ زرخیزی، افزائش اور تطہیر کے یہ تصورات پوری دنیا میں موجود رہے ہیں۔ اس سلسلے میں یورپ اور ایشیا یا افریقہ میں فرق نہیں ہے۔ اس مشترکہ انسانی تجربہ میں دنیا کی تمام اقوام یکساں طور پر شریک رہی ہیں۔ ایشیا میں جاپان ایک ایسا ملک ہے جہاں بہت سے تہواروں میں آگ ضرور روشن کی جاتی ہے۔ اس کی بٹی وجہ تو یہ ہے کہ جاپان کے مقامی مذہب "شنتوازم" کی تعلیمات کے مطابق آگ اشیا کی تطہیر کرنے والا عنصر سمجھا گیا ہے۔ کیوٹو کے قریب کراما گاؤں میں ہر سال ۲۲ اکتوبر کو "آگ کا تہوار" منایا جاتا ہے۔ اس تہوار میں لوگ قریبی جنگل سے لکڑیاں لا کے ان کے بڑے بڑے الاؤ کراما میں روشن کر دیتے ہیں۔ عام عقیدے کے مطابق سمجھا جاتا ہے کہ گاؤں مقدس آگ کے سائے میں ہے، اس لیے اس رات کوئی ضرر رساں حادثہ نہیں ہو سکتا۔ اس تہوار میں بچے، جوان، بوڑھے سب کے سب شعلیں جلاتے ہیں۔ ٹوکیو میں اتاباشی کے سوا مندر میں چاول کے کھیتوں کے دیوتا کو خوش کرنے کے لیے ایک تہوار منایا جاتا ہے، جس کے پیچھے یہ تصور ہے کہ اس طرح دیوتا کو خوش کرنے سے فصل اچھی ہوگی۔ اس تہوار میں چاول کی

فصل سے وابستہ مختلف رقص بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ ایک خاص رقص زرخیزی کی علامت ہوتا ہے۔ آخر میں بہت بٹی آگ روشن کی جاتی ہے اور ڈھول بجائے جاتے ہیں۔ یہاں بھی آگ کی خصوصی معنویت ہے کہ آگ فصلوں کی ہر طرح سے تطہیر کر کے زیادہ سے زیادہ اناج پیدا کرنے میں مدد دے گی۔ اب ایران کی طرف آئیے۔ زرتشت کی تعلیم کے مطابق خدائی نور کی بہترین مثال آگ ہے۔ بشیر احمد ڈار زرتشت کی تعلیمات میں آگ کی اہمیت واضح کرتے ہیں۔

"زرتشت کے نزدیک آگ خدائی نور کی بہترین مثال ہے۔ تاریخی طور پر تقریباً ہر مذہب میں خدا کو نور یا آگ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حضرت موسیٰ کو خدا کی تجلی کا مشاہدہ آگ ہی کے ذریعے ہوا اور قرآن میں خدا کے لیے بہترین مثال یہی آگ ہے۔"

"زرتشت نے اس آگ کو اپنی عبادتگاہوں میں بطور قبلہ استعمال کرنے کا حکم دیا تھا، کیونکہ آگ نور خدا کی تجلی کا بہترین مظہر ہے۔ آگ تمام تاریکیوں اور بد بیووں کو زائل کرتی ہے اور اس طرح پاکی اور نیکی کا راستہ ہموار کرتی ہے۔ زرتشت کے مطابق عبادت کا حقدار صرف خدائے پاک و بزرگ ہی ہے۔ جس طرح مرور زمانہ سے اھورا مزدا کے چہرہ مظاہر صفات بعد میں خدا بن گئے، اسی طرح آگ بھی مرکز ستائش و عبادت قرار پائی۔" (۱۰)

اب ہم سرزمین ہند کا مطالعہ کرتے ہیں جہاں آریاؤں کے زمانے میں ویدک ہند میں اگنی دیوتا ملتا ہے۔ دیومالا کے مطابق اگنی دیوتا کے تین سر، چار یا سات ہاتھ ہیں۔ اگنی دیوتا کے ساتھ اکثر ایک مینڈھا نظر آتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں شعلہ فشاں نیزہ ہوتا ہے۔ اس کی سات زبانیں ہیں جن کے الگ الگ نام ہیں اور یہ زبانیں بھینٹ کیا ہوا گھی چاٹتی ہیں۔ اس کی درخشاں رتھ میں شاندار گھوڑے جتے ہوئے ہیں۔ اس رتھ کو سنہری بالوں اور سرخ بازوؤں اور ٹانگوں والا رتھ بان چلاتا ہے اور سات ہوائیں اس رتھ کے پہنچے ہیں۔ آگ کی تجسیم تین اقسام کی آگ میں ہے۔ سورج، بجلی اور قربانی کی آگ۔ اگنی دیوتا کائنات میں تخلیق شدہ ہر شے کو جانتا ہے اور ان پر تصرف رکھتا ہے۔ یہ دیوتاؤں اور انسانوں کے درمیان رابطے کا کام بھی دیتا ہے۔ یہ انسانوں اور ان کے گھروں کا محافظ اور ہر فصل کا شاہد ہے۔" (۱۱)

ویدوں میں اگنی کی شان میں بہت سے اشلوک موجود ہیں جن میں اس کی تخلیقی قوتوں کا اعتراف موجود ہے۔ ان اشلوکوں میں زرخیزی، افزائش، امن، حفاظت اور طاقت کے لیے پدارتھنا کی گئی ہے، جن سے ویدک ہندوستان میں

اگنی دیوتا کے بلند مقام کا پتہ چلتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آریاؤں کے نزدیک کوئی دوسرا دیوتا ایسا نہ تھا جو انسان کا مستقل دوست، مددگار اور ساتھی بن کر اس کی زندگی کے ہر لمحے میں شریک رہے۔ چنانچہ اس بات کا اعتراف بھی موجود ہے کہ صرف انسان ہی نہیں بلکہ دیوتا زمین، آسمان، پانی، نباتات سب اس کی دوستی سے خوش ہیں، گویا اگنی کی مہربانیوں کا دائرہ ہمہ گیر تھا۔ اس میں زمین آسمان کے مظاہر شامل تھے۔ ہم یہاں یجر وید سے وہ اشلوک درج کرتے ہیں جن میں اگنی اور انسان کی قربت، رفاقت اور دوستی کے تجربات ملتے ہیں۔

اے اگنی ! تو جسم کا محافظ ہے۔ میرے جسم کی حفاظت کر۔
اے اگنی ! تو عمر کا دینے والا ہے۔ مجھے عمر دے۔
اے اگنی ! تو طاقت کا دینے والا ہے۔ مجھے طاقت دے۔
میرے جسم کا جو حصہ کمزور ہے، اسے پورا کر دے۔ (۱۲)

ہم اناج والے، تو اناج دینے والا۔
ہم طاقت ور، تو طاقت دینے والا۔
اے اگنی ! دشمنوں کے مارنے والے، ہم کسی سے بھی دکھ نہ پانے والے۔
تو نقصان سے مبرا۔ روشن ستاروں کی جائے رہائش میں تیری حفاظت
میں انجام حاصل کروں۔ (۱۳)

اے اگنی ! تو ہمارے لیے سہل الحصول ہو، جیسے باپ بیٹے کے لیے۔
ہماری بےبودی میں لگ جاؤ۔
اے اگنی ! تو ہمارا قریبی ہو، حفاظت کرنے اور آرام دینے والا۔
تو گھر کا محافظ اور بسانے والا ہو۔
اے اگنی ! دولت کے دینے والے، سامنے آ جاؤ، روشن دولت دو۔ (۱۴)
آریاؤں کے نزدیک "اگنی" ہی ایک ایسا دیوتا ہے کہ جس میں دیگر تمام دیوتا
جذب ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اس کو دیوتاؤں کا مجموعہ بھی کہا جا سکتا ہے
اور اس کے تین مساکن اور اجسام بیان کیے گئے ہیں، یعنی آفتاب، برق، آتش۔ "اگنی"
کے اس کردار کی مثال پارے کے اس بڑے قطرے سے دے سکتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے
قطروں کو اپنی ذات میں مدغم کر کے ان کا انفرادی وجود غائب کر دیتا ہے۔ یوں
لگتا ہے کہ جیسے پارے کے اس بڑے قطرے کا وجود پہلے ہی سے موجود تھا، اس میں
کچھ بھی شامل نہیں ہوا۔ مگر جب اس بڑے قطرے کو ہلا دیں، تو یہ ٹوٹ کر
بہت سے چھوٹے چھوٹے قطرات کی شکل اختیار کر لے گا۔ یہی صورت اگنی کی ہے۔

"اگنی" کے بارے میں عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ اس کا تعلق صرف آگ سے ہے۔ درحقیقت جب "اگنی" کا کردار صرف آگ تک محدود کر دیا جائے، تو اس کا حقیقی جوہر اور اس کی وسیع تر معنویت کی نفی کر دی جاتی ہے۔ اس طرح سے "اگنی" کا دائرہ سکڑ جاتا ہے اور مظاہر میں اس کی حیثیت کم تر ہو جاتی ہے۔ جب کہ ویدوں کے اشلوک سے اس کا جو کردار متعین ہوتا ہے، وہ بہت موثر، وسیع اور کائنات میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

ویدک ہند کے مصنف زیڈ۔ اے۔ راگوزن نے اگنی کے حقیقی جوہر پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اگنی دراصل نور ہے۔ وہ نور جس سے فضا بھری ہوئی ہے، جس کا اعلیٰ ترین مسکن اس ازلی پر اسرار عالم میں ہے جو آسمانوں کے اوپر اور فضا سے ماورا ہے جہاں تمام عالم کا مخفی سرچشمہ ہے۔ وہ مقدس ترین مقام جو ناف عالم میں ہے، جہاں دن اور رات جو بہنیں ہیں، علیحدہ رہنے کے بعد پھر ملتی ہیں اور ایک دوسرے کا بوسہ لیتی ہیں۔ اس آسمانی دنیا سے اگنی نیچے اترتا ہے اور اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ آسمان میں پیدا ہوتا ہے، بطور آفتاب کے، کرۂ ہوائی میں بطور برق کے، اور زمین پر آگ کی شکل میں۔ یہ اس کے تین مرئی اجسام یا شکلیں ہیں، مگر غیر مرئی طور پر وہ تمام اشیا میں پنہاں ہے۔ پودوں میں بھی (لکڑی سے آگ نکلتا)، پانی میں بھی، کیونکہ آسمانی سمندر سے بجلی چمکتی ہے اور بارش کے ساتھ وہ زمین پر اترتا ہے۔ درختوں اور بوٹیوں میں بطور رس کے پہنچ جاتا ہے۔ اگنی آدمیوں اور جانوروں میں بھی ہے۔ اس کا ثبوت ان کے جسموں کی حرارت فراہم کرتی ہے۔ اگر یہ حرارت ختم ہو جائے، تو اس کے ساتھ ہی زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگنی انسان کے جسم میں بھی اسی طرح داخل ہوتی ہوگی جیسے کہ نباتات میں۔ ایک دوسرا امکان یہ بھی ہے کہ اگنی انسان کے جسم میں ان نباتاتی اشیا کے ذریعے سے داخل ہوتی ہے جو وہ کھاتا ہے۔ اس طرح یہ حیات کی چنگاری بنی نوع انسان میں نسلًا باقی رہتی ہے اور موروثی ہو جاتی ہے، اس لیے اگنی کو کئی جنم دینے والا بھی کہا گیا ہے۔

راگوزن نے سوما کو اگنی کا دوسرا جوہر بتایا ہے، یعنی اس کی رقیق شکل۔ یہ زندگی کا مبدا ہے، جو عالم موجودات کی رطوبت سے قوت دینے والا امرت، یعنی آب حیات بناتا ہے جو قدرت کی قوتوں کو ہمیشہ زندہ اور جوان رکھتا ہے۔ زمین کی مخمور کرنے والی شراب میں اگنی کا ظہور سہ گونہ تھا، یعنی اولاً تو وہ شعلہ جو اس شراب کو آگ میں ڈالنے سے نکلتا ہے۔ ثانیاً اس حرارت سے جو شراب پینے والوں کی رگوں میں پھیل جاتی تھی۔ اور ثالثاً اس جوش اور سرور سے جو پینے والوں میں پیدا ہو جاتا تھا، جس کی وجہ سے وہ خیال کرنے لگتے تھے

کہ نہ صرف دیوتا ان میں حلول کر گئے ہیں بلکہ وہ خود دیوتا ہو گئے ہیں۔
 اگنی سوما کی شکل میں پرستش کرنے والے کے جسم میں حلول کرتا ہے۔ سوما اپنے
 درخشاں پیالے یعنی چاند سے شبنم برساتا ہے، جس سے پودوں کو تقویت ہوتی ہے،
 مگر شبنم، بارش اور بادلوں میں چھپ کر اگنی زمین پر اترتا ہے۔ (۱۵)
 یہ تھے وہ تصورات جو انسانی تہذیب میں آگ کے کردار، مقام اور اس سے
 وابستہ تخلیقی قوتوں کی داستان بیان کرتے ہیں۔ یہ تصورات تمام خطہٴ ارض کے
 انسانوں کے اجتماعی لا شعور کا حصہ رہے ہیں۔ ن۔ م۔ راشد کی شاعری میں
 یہی لا شعوری تصورات "آگ" کی مختلف علامتوں اور تلازمات میں نمایاں ہوتے ہیں۔
 ان علامتوں کے پس منظر میں تہذیب انسانی کا ہزاروں برس قدیم لا شعور موجود ہے۔
 راشد کی شاعری میں آگ کی یہ علامت مختلف صورتوں میں تخلیقی قوت کی مظہر بنتی
 ہیں۔ یہ افزائش اور پیدائش کا تصور پیش کرتی ہے۔ "دل میرے صحرا نور پر
 دل" راشد کی وہ لا زوال نظم ہے، جس میں یہ تصورات زوردار آواز کے ساتھ ابھرتے
 ہیں۔ اس نظم میں "آگ" آزادی کی علامت بھی بنتی ہے۔ یہاں "آگ" جذبہ
 اور شعور کی علامت کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، جہاں محکوم قومیں اپنی شناخت
 کمزور کر کے حریت کے لیے جنگ کرتی ہیں۔ آزادی اسی شناخت کی تکمیل کا نام ہے۔ "آگ"
 ایک ایسی علامت کے روپ میں بھی نمودار ہوتی ہے جو تہذیب کی آرائش کرتی ہے۔
 اور پھر "آگ" کے تطہیری کردار کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے، جہاں آگ آلائشوں
 کو دھونے اور پاک کرنے والی ایک علامت بن جاتی ہے۔ اس طرح یہاں آگ کا پورا
 تہذیبی عمل ملتا ہے۔ آگ سے آزادی وابستہ ہے۔ آگ پیدائش سے افزائش تک کے
 مراحل کا نام ہے اور آخر میں یہ علامت آلائش صاف کر کے تہذیبی عمل کو سنوارتی
 اور تیز کرتی ہے۔

آگ آزادی کا، دلشادی کا نام
 آگ پیدائش کا، افزائش کا نام
 آگ کے پھولوں میں نسریں، یاسمن، سنبل، شفیق و نسترن
 آگ آرائش کا، زیبائش کا نام
 آگ وہ تقدیر دھل جاتے ہیں جس سے سب گناہ
 آگ انسانوں کی پہلی سانس کے مانند اک ایسا کرم
 عمر کا اک طول بھی جس کا نہیں کافی جواب
 راشد کی اس نظم "دل میرے صحرا نور پر دل" ہی میں آگ انقلابی تصورات
 کی علامت بن جاتی ہے۔ "آگ" کی قرمز زبان پر انبساط نو کے گیت ہیں۔ "سرگرائی"
 کی "شب رفتہ" سے بیدار ہونے کی آواز آ رہی ہے۔ انقلاب ابھی اپنی ابتدائی
 شکل میں ہے، جہاں "کچھ شرر" "آغوش صرصر میں گم" ہیں اور کچھ "زینہ بزینہ"

شعلوں کے مینار کی طرف بڑھ رہے ہیں اور کچھ شرر ابھی تک الاؤ کی تہ میں مضطرب ہیں۔ آگ ہی سے انقلابی عوام متحرک ہوتے ہیں۔ یہاں "آگ" انقلابی محرکات کی علامت بنتی ہے جس سے خفتہ اقوام بیدار ہوتی ہیں۔ یہ تمناؤں کا بے پایاں الاؤ

راہ گم کردوں کی مشعل، اس کے لب پر "آؤ آؤ"

تیرے ماضی کے خزف ریزوں سے جاگی ہے یہ آگ

آگ کی قمرز زباں پر انبساط نو کے راگ

دل، میرے صحرا نورد پیر دل

سرگرائی کی شب رفتہ سے جاگ ا

کچھ شرر آغوش صرصر میں ہیں گم

اور کچھ زینہ زینہ شعلوں کے مینار پر چڑھتے ہوئے

اور کچھ تہ میں الاؤ کی ابھی

مضطرب، لیکن مذبذب طفل کمن کی طرح

آگ زینہ، آگ رنگوں کا خزینہ

آگ ان لذات کا سر چشمہ ہے

جس سے لینا ہے غذا عشاق کے دل کا تپاک

"آگ" ہی کے حوالے سے راشد صحرائی تہذیب کی قدیم تمثالیں بناتے ہیں۔

ان کے ہاں صحرائی مسافروں کے شبینہ پڑاؤ ملتے ہیں، جہاں صحرا کی وسعتوں

میں ایک مقام پر الاؤ کے گرد پشمینہ و دستار میں لیٹے ہوئے افسانہ خواں مجلس

گرم کرتے ہیں، جہاں نغمہ و رقص کی محفلیں ہیں۔ "آگ" صحراؤں کی شب تار

میں رہنما اور رفیق بنتی ہے اور بھیانک خاموشیوں اور تنہائیوں میں رفاقت کا سہارا

دیتی ہے۔ آگ اور انسان کا یہ قدیم رشتہ ہزاروں لاکھوں برسوں سے جاری ہے۔

ہزاروں برس سے شب تار یا شب ماہتاب کے مسافر آگ کی رفاقت میں تنہائی کو آسان

اور پر کشش بناتے ہیں۔ اس حوالے سے آگ انسان کے قدیم رفیق، ہمدرد اور غم

گسار کی علامت بنتی ہے۔

آگ سے صحرا کا رشتہ ہے قدیم

آگ سے صحرا کے ٹیڑھے، رینگنے والے

گرہ آلود، ژولیدہ درخت

جاگتے ہیں نغمہ درجاں، رقص برپا، خندہ بر لب

اور منا لیتے ہیں تنہائی میں جشن ماہتاب

ان کی شاخیں غیر مرئی طبل کی آواز پر دیتی ہیں تال

بیخ و بن سے آنے لگتی ہے خداوندی جلا جل کی صدا

آگ سے صحرا کا رشتہ ہے قدیم
 رھروں، صحرا نوردوں کے لیے ہے رھنما
 کاروانوں کا سہارا بھی ہے آگ
 اور صحراوں کی تنہائی کو کم کرتی ہے آگ
 آگ کے چاروں طرف پشمینہ و دستار میں لپٹے ہوئے
 افسانہ گو

جیسے گرد چشم مڑگاں کا ہجوم
 ان کے حیرت ناک، دلکش تجربوں سے
 جب دمک اٹھتی ہے ریت
 ذرہ ذرہ بجنے لگتا ہے مثال ساز جاں
 گوش بر آواز رھتے ہیں درخت

اور ہنس دیتے ہیں اپنی عارفانہ بے نیازی سے کبھی
گمان کا ممکن میں "نئی آگ" کی ایک علامت بنتی ہے جو مقدس اور پر سرور
 ہے۔ یہ "نئی آگ" کیا ہے؟ یہ نئی آگ "نئے آدمی" کی علامت ہے۔ "نیا آدمی"
 جو روایت شکن ہے، ماضی سے بے زار ہے کہ یہ بنجر اور غیر تخلیقی ہو کر افادیت
 سے محروم ہو چکا ہے۔ پرانا آدمی ماضی کے ریگزاروں میں گم ہے، لیکن "نیا آدمی"
 حال کو تبدیل کر کے ایک جہان نو تخلیق کرنا چاہتا ہے۔ یہ جہان نو آزادی،
 حریت، مساوات اور اعلیٰ انسانی اقدار سے مرتب ہو گا۔ "نئی آگ" کی یہ علامت
 دیکھیے جس میں تخلیقی طور پر ایک نئے افق کی بشارت ملتی ہے۔
 نئی آگ، دل

دل ناتواں کی نئی آگ سب کا سہرا
 نئی آگ سب سے مقدس ہمیں
 ہم اس آگ کو کس کی آنکھوں کے معبد
 پہ جا کر چڑھائیں؟
 نئی آگ کے کس کو معنی سجھائیں؟
 نئی آگ ہر چشم و لب کا سرور
 نئی آگ سب کا سرور

راشد کا شعری سفر "آگ" سے "نئی آگ" تک جاری رھتا ہے۔ "آگ" جو
 قدیم انسان کے تہذیبی لا شعور کی یادگار ہے۔ یہ لا شعور راشد کو انسانی
 وراثت میں ملا ہے، لیکن اس کے شعور نے خود اس "آگ" کو "نئی آگ" کی معنویت
 عطا کی ہے۔ اس طرح "نئی آگ" ہمارے دور کے تہذیبی حوالوں سے ایک بھر پور

تخلیقی علامت کے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔
راشد نے عمر کے آخری حصے میں "آگ" کی علامت کو بالخصوص استعمال کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لا شعوری طور پر آگ کے ان اذکار سے اپنے انجام کے دھندلکوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ آگ کے تلازمات سے اتنی محبت انھیں کشاں کشاں ایک لا شعوری فیصلے کی طرف لے کر چل رہی تھی، جس کی آخری منزل جنوبی لندن کا کریمیٹوریم تھا، جہاں اردو شاعری کا ققنس اپنے نغمے سنا کر خاموش ہو گیا۔

حوالے

- (۱) ساقی فاروقی، "حسن کوزہ گر"، نیا دور، ن۔ م۔ راشد نمبر، ص ۲۳-۲۲
- (۲) ایضاً، ص ۲۰-۲۱
- (۳) E. R. Pike, *Encyclopedia of Religion and Religious*, p. 153.
- (۴) Farlong, *Faiths of Man*, Vol. 2, pp. 101-104.
- (۵) James Hastings, *Encyclopedia of Religion and Ethics*, Vol. 6, pp. 26-31.
- (۶) جیمس جارج فریزر، شاخ زریں (مترجم - زاہر اعجاز)، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء، ج ۲، ص ۵۳۹-۶۷۰
- (۷) ایضاً، ص ۵۵۲-۵۵۳
- (۸) ایضاً، ص ۵۵۳
- (۹) ایضاً، ص ۵۵۹-۵۶۰
- (۱۰) بشیر احمد ڈار، حکمائے قدیم کا فلسفہ، لاہور، ثقافت اسلامیہ، ص ۱۳۵
- (۱۱) Benjamin Walker, *Hindu World*, Vol. 2, p. 13.
- (۱۲) عبد الحق ودیار تھی، بجر وید، لاہور، ۱۹۲۷ء، ص ۳۲
- (۱۳) ایضاً، ص ۳۲
- (۱۴) ایضاً، ص ۳۳
- (۱۵) زیڈ - اے۔ راگوزن، ویدک ہند (مترجم - حمید اللہ انصاری)، حیدرآباد، جامعہ عثمانیہ، ۱۹۲۷ء، ص ۳۳۳